عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعث — ایک مطالعہ

از جناب محمود الحسن صاحب ایم، اے (علیگ)

... گذشتہ سے پیوستہ ...

ان خطوط کا بڑا اثر ہوا عبدالرحمٰن نے فوج کو جمع کیا۔ اور حجاج کے ان احکامات کو پڑھ کر سنایا، اس کے جتنے نتائج مرتب ہو سکتے تھے اس کی طرف سے خبردار کیا اور یہ یاد دلایا کہ اس کے اپنے خیالات اور رائے کے پیچھے کیا مصلحتیں کارفرما تھیں، دونوں پہلوؤں کو سامنے پیش کر دینے کے بعد فیصلہ کا اختیار فوج کو دیدیا کہ وہ جو چاہے اس پر وہ خود بھی عمل کرے گا۔ اگر اطاعتِ حکم موزوں ہے تو بھی اور اگر نہیں تو اس صورت میں بھی وہ ان کی خواہشوں کا ساتھ دے گا، فوج زیادہ تر عراقیوں پر مشتمل تھی، وہ حجاج کے مظالم سے تنگ آ چکی تھی، چنانچہ سرکردہ افسروں نے حجاج کے خلاف بغاوت کا فیصلہ کیا، ابوالطفیل عامر بن واثلہ الکنانی نے فوج کو مخاطب کیا، اس تقریر میں حجاج کی برائیوں اور کوتاہ اندیشیوں کا تذکرہ کیا، پھر عبدالرحمٰن کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کا مشورہ دیا، سب سے پہلے اس نے خود آگے بڑھ کر بیعت کیا، اس کے بعد فوج نے جوق درجوق اس کے ہاتھ پر وفاداری کا عہد کیا، اس کام سے فراغت کے بعد عبدالرحمٰن نے متعدد علاقوں پر اپنے والی مقرر کئے، اس کے بعد اس کی اولین کوشش یہ ہوئی کہ رتبیل سے مصالحت کر لے، کیوں کہ حجاج سے بغاوت کرنے کا مطلب عبدالملک کے اقتدارِ اعلیٰ کو چیلنج کرنا تھا، اس صورت میں اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ رتبیل سے مصالحت کر لے۔

رتبیل اگر کسی کا دشمن تھا تو عبدالملک کا، اس صورت میں اگر اس کو کسی سے خطرہ تھا تو اموی اقتدار کے بڑھتے ہوئے

اقتدار سے، یہی وجہ ہے کہ جب عبدالرحمٰن نے حجاج سے بغاوت کی، اور اتبیل کی طرف مصالحت کا ہاتھ بڑھایا تو اتبیل نے بڑی خوشی سے قبول کر لیا۔ اتبیل نے یہ بھی سوچا کہ اگر حجاج کو شکست دینے میں عبدالرحمٰن کامیاب ہو گیا تو عرصہ تک اس کی مملکت عرب حملہ سے محفوظ ہو جائے گی، لیکن اگر کامیاب نہ ہو تو پھر بھی عبدالرحمٰن کی باغیانہ سرگرمیاں حجاج کو چند برسوں تک اس کی طرف سے بے خبر کر دیں گی اس طرح اس کے ملک کو درپیش خطرہ فوری طور پر ٹل جائے گا۔

عبدالرحمٰن صلح کرنے کے بعد عراق واپس آیا اور اپنی فوج کو حجاج سے مقابلہ کے لئے آراستہ کیا، چوں کہ عراق کی بیشتر آبادی حجاج کے ظالمانہ وانتہا پسندانہ رویہ سے عاجز آچکی تھی، اس لئے ان کا عبدالرحمٰن کی حمایت کرنا فطری امر تھا، چنانچہ کوفہ و بصرہ کی اجتماعی زندگی میں جتنے ممتاز اشخاص تھے، سب نے اس کا ساتھ دیا۔ پڑھے لکھے لوگوں میں سے شعراء، ادباء، قراء و شیوخ نے اس کے لشکر میں پُرزور حصہ لیا۔ صاحب اغانی لکھتا ہے "جب ابن الاشعث نے حجاج سے بغاوت کی تو اہلِ کوفہ نے بڑھ کر اس کا ساتھ دیا، ان میں سے کوئی قاری اور صاحبِ علم انسان ایسا نہیں بچا تھا کہ جس نے خروج نہ کیا ہو کیوں کہ وہ حجاج کی ستم رانیوں سے عاجز آچکے تھے۔ ان میں عامر الشعبی، اعشٰی ہمدانی قابلِ ذکر ہیں۔ احمد الیبعی ابواسامہ العجدانی المغنی بھی دوستی کی بنا پر اس کے ساتھ ہو گئے، اعشٰی ابن الاشعث کے بارے میں مدحیہ اشعار کہتا تھا۔ اس کے علاوہ اپنے اشعار کے ذریعہ اہلِ کوفہ کو جنگ پر ابھارتا تھا[۱] اس کے ساتھ ابوکلدۃ، ابوحزابۃ جیسے ممتاز شعراء عبدالرحمٰن کی فوج کی زینت تھے، یہ شعراء پہلے اموی خلافت کے قابلِ اعتماد، ذی اثر مددگار تھے[۲] لیکن حجاج کی سختیوں سے تنگ آکر عبدالرحمٰن کی معیت اختیار کر لی تھی، ان کے پُرجوش، رجزیہ قصائد فوجیوں اور افسروں کے حوصلہ بلند کرنے میں مہمیز ثابت ہوئے۔

اہلِ عراق نے اموی اقتدار کو اگرچہ جبراً تسلیم کر لیا تھا، لیکن ان کے دل اس خاندان سے ذرا بھی خوش نہ تھے، حجاج کی تلواروں کے سایہ تلے انھوں نے اپنی گردنیں اگرچہ جھکا دی تھیں مگر ان کے دماغوں میں

۱ء کتاب الاغانی ابی الفرج الاصفہانی ج ۵ – ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۲۸، ۱۵۳

۲ء " " ج ۱۰، ۱۹ ص ۱۰۵، ۱۵۲

بغاوت وسرکشی کے خیالات مچلتے تھے، وہ اس انتظار میں تھے کہ کوئی مردِ میدان آگے بڑھے تو اس کی قیادت میں اس خاندان کے پرخچے اڑا کر رکھ دیں، چنانچہ یہی ہوا جب عبدالرحمٰن نے علم بغاوت بلند کیا تو تمام عراقیوں نے اس کا ساتھ دیا، ان لوگوں نے فارس پہنچ کر یہ تجویز پیش کی کہ جب انھوں نے حجاج کی بیعت کو توڑ دیا ہے تو پھر عبدالملک کے اقتدار کو کیوں تسلیم کرتے رہیں، اس کی بیعت کو بھی کیوں نہ فسخ کر دیں، عبدالرحمٰن کو یہ تجویز تسلیم کرنی پڑی۔ یہاں یہ سوال ابھرتا ہے کہ کیا عبدالرحمٰن کے ذہن میں بھی عبدالملک کی حکومت کے خلاف کوئی خیال تھا؟ اس سوال کا جواب اثبات میں دینے کے لئے ہمارے پاس کوئی شہادت نہیں، اس کے برخلاف نفی میں پیش کرنے کیلئے یہ دلیل کافی ہے کہ جب عبدالرحمٰن کی بغاوت کا عام شہرہ ہو گیا اور عراقی وشامی فوجوں میں کئی جھڑپیں ہوئیں۔ بالخصوص دیرالجماجم میں دونوں کی صفیں آراستہ ہوئیں تو عبدالملک کے بھائی اور بیٹے نے مصالحت کا ایک فارمولا پیش کیا، یہ تجویز خود عبدالملک نے تیار کی تھی، جب حجاج کو معلوم ہوا کہ یہ تجویز پیش کی جانے والی ہے تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اس نے عبدالملک کو اس تجویز کے پیش کرنے سے باز رکھنا چاہا مگر وہ نہیں مانا بالآخر صلح کی شرائط عراقیوں کے پاس بھیجی گئیں، انھوں نے باہم مشورہ کیا، اس موقع پر ابن الاشعث نے مصالحت پر آمادہ کرنا چاہا، اس نے صلح کے فوائد بھی ان کے سامنے رکھے مگر فوجیوں نے اس کے مشورہ کو رد کر دیا۔[1] ابن الاشعث کے اس صلح پسندانہ رویہ سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ وہ اموی خاندان کے مرکزی اقتدار کو چیلنج کرنا ناپسند کرتا تھا، کیونکہ اس کے عواقب سے وہ آگاہ تھا، جہاں تک عراقیوں کے اصرار کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سرے سے اموی اقتدار کے خلاف تھے، انھوں نے ابن الاشعث کی شخصیت میں اپنے خوابوں کی تعبیر تلاش کر لی تھی، پھر وہ کیوں صلح پر تیار ہوتے۔ مزید برآں ابن الاشعث کو حالات نے اس نقطہ پر پہنچا دیا تھا کہ وہ پیچھے بھی نہیں پلٹ سکتا تھا، مجبور ہو کر اس زریں موقع سے ہاتھ دھونا پڑا۔

صلح کی ناکام کوشش کے بعد حجاج اور ابن الاشعث کی فوجوں میں تصادم شروع ہو گیا، ان جنگوں میں کبھی ابن الاشعث کا پلڑا بھاری ہوتا تو کسی میں حجاج کا، باقاعدہ دونوں فوجوں کی جنگ دیرالجماجم میں ہوئی۔ اس جنگ میں ابن الاشعث کے پاس ۳۳ ہزار شہسوار اور ایک لاکھ بیس ہزار پیدل فوج تھی۔[2]

[1] الکامل لابن الاثیر ج ۴ ص ۱۸۱

[2] البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر ج ۹ ص ۳۶

ممکن ہے اس تعداد میں مبالغہ ہو مگر یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ ابن الاشعث ایک لشکر جرار کا مالک تھا، اس سے حجاج بھی گھبرا اٹھا تھا، حجاج کی فوج بھی کچھ کم کیل کانٹے سے لیس نہ تھی، دونوں فوجوں کی جھڑپیں ۱۰۳ ایک سو تین دن تک جاری رہیں[1] آخری دن بہت سخت جنگ ہوئی، اس میں ابن الاشعث کو شکست کھانی پڑی، ہزیمت کے بعد اس نے بصرہ کا رُخ کیا، حجاج نے بھی تعاقب کیا، مسکن کے مقام پر دونوں فوجوں میں پھر تصادم ہوا، یہاں بھی ابن الاشعث کو زک اٹھانی پڑی، اس کے بہت سے آدمی کام آئے، وہ سجستان ہوتا ہوا، اتبیل کے پاس چلا گیا۔ اس نے ابھی کچھ دن قیام کیا تھا کہ اس کے حامیوں نے دوبارہ بلا بھیجا تاکہ وہ آکر اس کی قیادت کرے، سجستان میں تقریباً ۶۰ ہزار فوجی جمع تھے، انھوں نے اپنی کارروائی جاری رکھی، ابن الاشعث نے ان کی رہنمائی کی مگر تا بکے، ابن الاشعث بھانپ گیا تھا کہ اس کے حامی کس کردار کے ہیں، انھوں نے ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا۔ جب ابن الاشعث نے یہ دیکھا تو پھر اتبیل کے پاس چلا آیا، اس نے اپنے یہاں پناہ دی، مسعودی کے بیان کے مطابق ابن الاشعث اور حجاج کے مابین ۸۰ جنگیں ہوئیں۔[2]

ابن الاشعث کی بغاوت کچل دینے کے بعد عراق کو مکمل طور پر قابو میں رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ اس کا پیچھا کیا جائے، کیوں کہ اس کے بچ نکلنے کا یہ مطلب ہو سکتا تھا کہ آئندہ بھی عراقیوں سے اس کا تعلق برقرار رہے۔ اس صورت میں عراق کا سیاسی استحکام یقینی طور پر مشتبہ تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابن الاشعث بڑا عالی حوصلہ و دلیر انسان تھا، وہ آسانی سے خاموش ہو جانے والا نہیں، دوسری طرف اگرچہ عراقی ہولناک شکست کھا چکے تھے اور حجاج کے وحشتناک انتقام کا مزہ چکھ چکے تھے، لیکن ان کا حوصلہ کمزور نہیں ہوا تھا، انھیں قریش اور بالخصوص اموی خاندان سے سخت نفرت تھی، اپنی متعدد جائز شکایات، بغض و حسد کی بنا پر حجاج و عبدالملک سے بہت نالاں تھے، اس لئے ابن الاشعث کی معمولی سی تحریک پھر عراق کے امن وامان کو تباہ کر سکتی تھی، اس لئے عبدالملک نے سوچا کہ ابن الاشعث کو ختم کر دینا چاہیئے، چنانچہ اتبیل کو ایک تحکمانہ خط لکھا۔ "اس میں عبدالرحمٰن کی سرکشی، بغاوت، اور بیعت شکنی کا تذکرہ کیا، اس کے بعد لکھا کہ تم اس کو حوالہ کر دو، اس خط کو پڑھ کر

---

[1] الکامل لابن الاثیر ج ۴ صفحہ ۱۸۵ - ۱۸۴

[2] مروج الذہب للمسعودی ج ۵ صفحہ ۳۰۵، ۳۰۴، ۳۰۳، ۳۰۲

اس نے اپنے وزیر سے مشورہ لیا، اس کے بعد سو آدمیوں کی نگرانی میں ابن الاشعث کو پابہ زنجیر بھیج دیا۔ راستہ میں ایک محل میں قیام کرنا پڑا۔ ابن الاشعث نے اوپر چڑھ کر وہیں سے چھلانگ لگادی اس طرح وہ اس عالم سے رخصت ہوا[1]

اس بیان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اتبیل ایک ہی دھمکی میں ڈر گیا اور ابن الاشعث کو حوالہ کردیا مگر یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی، کیوں کہ اتبیل بہرحال یہ سمجھتا تھا کہ اسے اگر کسی طرف سے حقیقی خطرہ ہے تو وہ صرف عبدالملک ہے اس کو جب بھی موقع ملے گا تو اس کی طرف ضرور متوجہ ہوگا۔ ایسی حالت میں ابن الاشعث کو آسانی سے حوالہ کردینا مصلحت وسیاست کے خلاف ہے لیکن یعقوبی کی روایت اس دشواری کو حل کردیتی ہے اس کا کہنا ہے۔

"جب حجاج کو پتہ چلا کہ ابن الاشعث اپنے چار ہزار آدمیوں کے ساتھ اتبیل کے یہاں پناہ لئے ہوئے ہے تو اس نے عمارۃ بن تمیم اللخمی کو اتبیل کے پاس بھیجا، اس نے حجاج کا یہ پیغام پہنچایا کہ وہ یا تو ابن الاشعث کو حوالہ کردے ورنہ ایک لاکھ آراستہ پیراستہ فوج اس کا انتظار کرے گی۔ اتبیل کے پاس ایک شخص عبید بن ابی سبیع رہتا تھا، اس کا بڑا اثر تھا، اس شخص سے ابن الاشعث کو خطرہ کا شبہ پیدا ہوا، چنانچہ اس نے اس کو دھوکہ دینا چاہا، اس کو بلایا تاکہ حیلہ سے قتل کردے، جب عبید کو معلوم ہوا تو وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور عمارۃ بن تمیم کے پاس پناہ لی، اس وقت یہ شخص لسبست میں مقیم تھا۔ اس نے عمارۃ سے کہا کہ مجھے کچھ دینے کا وعدہ کرو، اور اتبیل کو بھی معاف کردو، اس کے بعد ابن الاشعث تمہارے حوالے کردیا جائے گا۔ عمارۃ نے صورت حال سے حجاج کو آگاہ کیا۔ جواب میں حجاج نے لکھا وہ جو بھی مانگے اسے پورا کرو۔ اس نے ایک عہدنامہ بھی لکھا جس پر اپنی مہر بھی لگائی۔ عمارہ اس کو لے کر اتبیل کے پاس آیا۔ اور مسلسل اسے ترغیب وترہیب کے ذریعہ آمادہ کرنے لگا، بالآخر وہ ابن الاشعث کو حوالہ کرنے پر تیار ہوگیا۔ ابن الاشعث کو گرفتار کیا۔ اس کے ساتھ ایک پورا گروہ مقید کیا گیا، ان سب کو پابہ زنجیر حجاج کے پاس بھیج دیا۔ مگر جب یہ لوگ مقام رجّ میں پہنچے تو ابن الاشعث نے ایک مکان کی چھت پر چڑھ کر وہیں سے چھلانگ لگادی، اس کے ساتھ ایک اور شخص ابوعمر نامی اسی زنجیر میں باندھا گیا تھا، اس لئے دونوں گر کر مر گئے، یہ واقعہ ۸۴ ہجری میں پیش آیا۔ ابن الاشعث کا سر کاٹ کر حجاج کے

[1] کتاب اخبار الطوال دینوری ص ۳۲۵

پاس بھیج دیا گیا، اس نے عبدالملک کے پاس بھیج دیا۔[1] تمام مستند مؤرخین کا خیال ہے کہ ابن الاشعث نے چھت پر سے کود کر خودکشی کرلی تھی مگر ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب کی چھٹی جلد میں اس کا صدور ۹۰ ہجری کے تحت بیان کیا ہے[2] مگر انھوں نے اس کے ثبوت میں کوئی سند نہیں پیش کی، ابن الاشعث کی موت کے بارے میں متضاد روایتیں ملتی ہیں، کسی نے لکھا ہے کہ اتبیل نے اس کا سر کاٹ کر حجاج کے پاس بھجوا دیا۔ دوسری روایت میں ہے' وہ سخت بیمار پڑا بچنے کی امید جاتی رہی، اس حالت میں اتبیل نے قید کرکے حجاج کے پاس بھیج دیا۔ لیکن مقدم الذکر روایت اکثر نے کی۔ کہتے ہیں اس کا سر عراق میں گشت کرایا گیا۔ اور جب عبدالملک کے پاس پہنچا تو اس نے پورے شام میں گھمایا پھر اپنے بھائی کے پاس مصر بھیج دیا، اس نے پورے مصر میں تشہیر کی اور آخر میں اس کا سر و جسم مصر و رخج میں بالترتیب دفن کر دیئے گئے۔[3]

ابن الاشعث کی بغاوت اور اس کے اسباب کی تلاش متعدد نوعیتوں سے دل چسپی کا موجب ہے، وہ اس لئے بھی دل چسپ و اہم ہیں کہ اس کی روشنی میں اس دور کی اسلامی تاریخ کے بارے میں سوچنے سمجھنے کی حقیقت پسندانہ نظر پیدا ہوگی اور جو تہذیبی و معاشرتی عوامل ان کی تشکیل کر رہے تھے ان پر روشنی پڑیگی۔ یہ ممکن ہے کہ ان اسباب کا انطباق ہر صورت میں صحیح نہ ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر حالت میں تمام مؤثرات ایک ساتھ ہی کارفرما ہوں۔

میں نے ابن الاشعث کی خاندانی زندگی کا مختصر حال اوپر بیان کیا ہے اور اس کے دادا اشعث اور باپ محمدؐ کے بارے میں ضروری واقعات درج کئے ہیں، ان کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بڑے بااثر، شریف و نجیب تھے، انھیں جاہ و اقتدار بھی حاصل تھا۔ ان کے پاس ریاست بھی تھی جو سیاسی قوت کا اہم ذریعہ تھی، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کے عہد سے لے کر عبدالملک کے زمانہ تک ہر دور میں انکی اس حیثیت کا لحاظ رکھا جاتا رہا ہے، انھیں ممتاز فوجی، انتظامی عہدوں پر فائز کیا جاتا رہا، ان کے

---

[1]	تاریخ الیعقوبی	یعقوبی	ج ۲	ص ۳۳۴، ۳۳۳
[2]	تہذیب التہذیب	ابن حجر عسقلانی	ج ۶	ص ۲۵۶
[3]	البدایۃ والنہایۃ	ابن کثیر	ج ۹	ص ۵۴، ۵۳

مشورہ پر امیر معاویہؓ بھی عمل کرتے تھے، اس سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اسلامی مملکت کے نظام فوجی و انتظامی میں قبائلی احساسات کا بڑا دخل تھا اور بعد میں دورِ اموی کے اندر اگرچہ "قریشی قیادت" کے جذبہ کو خاصی تقویت ملی اس فکر کو ترقی دی گئی مگر سیاسی احوال نے دوسرے عرب قبائل کے ساتھ فیاضانہ سلوک کو ضرور قرار دے دیا تھا۔ چنانچہ اشعث کے قبیلہ میں اس گھرانہ کو امتیاز حاصل تھا جس کے ذریعہ پورے قبیلہ کی اہمیت تسلیم کی جاتی تھی۔

ابن الاشعث کو اپنی اس خاندانی برتری کا گہرا شعور تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ قریشیت کے تصور کو اہمیت نہیں دیتا تھا جس کا دعویٰ قریش کرتے تھے، نیز وہ سیاسی قوت کے اس جدید مرکز سے مخلصانہ عقیدت بھی نہیں رکھتا تھا، چنانچہ اس کی مثال ہمیں اس کے باپ دادا کے یہاں ملتی ہے۔ اشعث کا ارتداد دراصل قریش کے اقتدار سے بغاوت کا بہانہ تھا۔ حضورِ اکرمؐ کی وفات کے بعد بہت سے قبائل کے سرداروں نے سمجھا کہ اب قریش کی سیاسی قوت ان کی اجتماعی کوششوں سے منتشر ہو جائے گی مگر حضرت ابوبکرؓ کی بے نظیر دور اندیشی اور استقلال نے جہاں اسلام کی نوخیز قوت کو پارہ پارہ ہونے سے بچا لیا، وہیں قریش کا اقتدار بھی ختم ہونے سے بچ گیا۔

ایسے گھرانہ کی ایک نفسیاتی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ مصلحت اور موقع پرستی کو اپنا شعار بنا لیتا ہے، چنانچہ جب اشعث اپنی کوشش میں ناکام ہوئے اور انہیں سبق آموز شکست ہوئی تو انھوں نے اور ان کے بیٹے نے یہ سمجھ لیا کہ وہ قریش کے اقتدار کو نہیں چیلنج کر سکتے تو مجبوراً مصالحانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہوئے کیونکہ اسی پالیسی کے تحت اپنے سیاسی اقتدار اور معاشرتی رعایات کو برقرار رکھ سکتے ہیں، اس حقیقت کے ادراک نے انھیں ہر بدلتے ہوئے ماحول کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کا سلیقہ پیدا کر دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ حاکم وہ تھے بعد میں حضرت علیؓ کے معتمد علیہ وہ ہوئے۔ اور جب زبیریوں کا ستارہ چمکا تو ان کی حمایت میں پیش پیش نظر آئے مگر جب گردشِ روزگار نے انھیں آگھیرا تو اموی خلیفہ کے ساتھ ہو گئے، اس طرح یہ اپنی وفاداری کا قبلہ ہمیشہ بدلتے رہے۔

جب امیر معاویہؓ کا انتقال ہوا، یزید نے خلافت کا کاروبار سنبھالا اور متعدد قوتیں اس کے خلاف

میدان میں آئیں تو امویوں کے ساتھ ان کا رشتہ کمزور پڑ گیا۔ حضرت حسینؓ کی شہادت کے دوران محمد بن الاشعث اور عبدالرحمن کا طرزِ عمل سیاسی دباؤ کے تحت مصلحت اندیشی کی کھلی مثال ہے اگرچہ خاندان کے دوسرے افراد کے بارے میں یہ پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے حضرت حسینؓ کے خلاف یزید کا ساتھ دیا۔ لیکن جب فوجی و سیاسی تغیر نے نیا رُخ اختیار کیا۔ زبیری کچھ کامیاب ہوتے نظر آئے تو باپ بیٹے ان کے ساتھ ہو گئے۔ یزید کے خلاف جنگ میں شریک رہے، اس اثناء میں ایک تیسرے شخص مختار نے اپنے خاندانی اغراض اور ذاتی حوصلوں کی تکمیل کے لئے امویوں، زبیریوں دونوں کو چیلنج کیا، اس شخص کو کچھ کامیابی بھی ہوئی تو محمد نے اس سے صلح جوئی اور دوستانہ رویہ اختیار کیا، یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ مختار نے عراقیوں کی حمایت اور تعاون حاصل کرنے کے لئے ان کے جذبات کا استحصال کیا اور آلِ بیت کی مظلومی، حق و صداقت کی کم مائگی کا نعرہ بلند کر کے قاتلینِ حسینؓ سے انتقام لینے کا پروپیگنڈا کیا۔ محمد نے متاثر ہو کر اس کا ساتھ دیا۔ مگر جلد ہی مختار کی دبی ہوئی آرزوؤں کو محسوس کر کے وہ اس سے علیحدہ ہو گئے اور مصعب بن زبیر کی فوج سے مل گئے۔ بعد میں مختار کے خلاف لڑتے ہوئے مارے گئے۔ ابن الاشعث نے اپنے خاندان کی اس مصلحت آمیز پالیسی کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنایا۔

ابن الاشعث کے خاندان کا جو ہر دور میں مؤثر رول رہا ہے اور اُنہیں جو نمایاں اہمیت دی جاتی رہی ہے اس کا اثر اس کی نفسیات پر پڑنا لازمی تھا۔ چنانچہ مؤرخین کا یہ کہنا "وہ بڑا خود پسند اور مغرور تھا" حقیقت کی سچی ترجمانی ہے، وہ بہت کم کسی کو خاطر میں لاتا تھا۔ چنانچہ حجاج، جو بہرحال خاندانی اور ذاتی خصوصیات میں اس سے فروتر تھا، کا بڑھتا ہوا اقتدار اس کے لئے باعثِ رشک تھا۔ اس کے علاوہ حجاج اس کے خلاف کھلم کھلا بغض و حسد کے کلمات کہنے لگا تھا، کیوں کہ وہ سمجھتا تھا کہ عراق کی سیاسی و مذہبی فضاء اموی اقتدار کے لئے موافق نہیں ہے اور عبدالرحمن اپنی خاندانی برتری، اثر و اقتدار کی بنا پر مشہور و باثر ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے سہارے اس کے اقتدار کو چیلنج کر دے، یہ خطرہ کوئی موہوم خطرہ نہ تھا بلکہ عبدالرحمن کی باتوں سے اس کی تائید ہوتی تھی اور یہ باتیں حجاج تک پہنچ جاتی تھیں، دوسرا خطرہ یہ تھا کہ وہ اموی اقتدار کو تسلیم کرتے ہوئے بھی حجاج کے خلاف رائے عامہ کو جو اس کے بہت خلاف تھی، ہموار کر کے اپنے لئے ولایت کا

پروانہ نہ حاصل کرلے۔ اس طرح حجاج کا ستارہ جو ابھر رہا تھا ابتدائی دور ہی میں گردش کا شکار ہوجائے، ان حقیقی خطرات کی بنا پر حجاج شروع ہی سے نہایت اہانت کے ساتھ ابن الاشعث سے پیش آتا تھا۔ مگر اس کے باوجود ابن الاشعث کے ذہن و استقلال میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی، آخر وقت نے حجاج کو اس منزل تک پہنچا دیا کہ اس نے ابن الاشعث پر اپنی بے اعتمادی کا اظہار کیا اور اسے بہت مطعون کیا۔ یہ فطری بات ہے کہ اس سے ابن الاشعث کو سخت صدمہ ہوا ہو۔ چنانچہ اس نے صورت حال فوج کے سامنے رکھ دی۔ فوج تو پہلے ہی سے تنگ آچکی تھی اس لئے اس نے فوراً بیک زبان بغاوت کردینے کا اظہار کیا۔

ابن الاشعث کی بغاوت کو ممکن ہے کوئی یہ سمجھے کہ ہاشمی اور اموی کش مکش کی ایک کڑی تھی، لیکن میرے نزدیک یہ رائے صورت حال کے صحیح تجزیہ پر مبنی نہ ہوگی، اس امکان کی نہ صرف خاصی گنجائش ہے بلکہ یہ حقیقت ہے کہ ابن الاشعث آلِ بیت کا حامی اور خیر خواہ تھا۔ لیکن ولولے اتنے گہرے اور مضبوط نہیں تھے۔ جن کی وجہ سے وہ بغاوت کر بیٹھے، بلکہ بغاوت کے بنیادی محرکات شخصی اور ذاتی مفاد سے آگے نہیں بڑھے تھے۔ اسلامی تاریخ کی یہ تلخ حقیقت ہے کہ قبائلی، علاقائی اور خاندانی مفادات پہلی صدی ہجری ہی میں بہت سے سیاسی واقعات و تغیرات کے محرک بن گئے تھے، اس کے بہت سے اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ تھا کہ عرب سماج اسلام کے آفاقی نقطۂ نظر کا گہرا و طویل تجربہ نہیں رکھتا تھا، رسول اللہؐ نے اپنی عظیم شخصیت کے اثر سے اپنے ساتھیوں کے ایک خاص گروہ کے اندر عالمی نقطۂ نگاہ "Universal out look" پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کرلی تھی، لیکن جوں ہی آپؐ نے اس جہاں کو خیرباد کہا اور اس پر چند سال گذرے کہ اس کی گرفت ڈھیلی پڑگئی، طرح طرح کی عصبیتوں، تنگ نظریوں اور تباہ کن مفادات نے اس کی جگہ لے لی اور ابن الاشعث کی بغاوت اس کی ایک مثال ہے ——!

مصباح اللغات (عربی اردو ڈکشنری) کا نیا ایڈیشن فوٹو آفسٹ کے ذریعہ مئی ۶۵ء کے آخر تک طبع ہو کر آرہا ہے۔ یہ ایڈیشن نئی کتابت کراکر بہت اہتمام سے شائع کیا جارہا ہے۔ اُمید ہے جلد ختم ہوجائے گا۔ تاجر حضرات اپنی ضرورت سے مطلع فرمادیں تو فراہم کرنے میں آسانی ہوگی۔ (مینیجر مکتبہ برہان دہلی)